Volume 02, Issue 03,
October-December 2024
PP: 59-82
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے اور ان کو قومیانے کا تصور

The Concept of Reviving Barren Lands and Their Nationalization

Muhammad Fayyaz[1] *Dr. Ikram ul Haq Al-Azhari* [2]

Article History

Received
02-11-2024

Accepted
12-11-2024

Published
23-11-2024

Abstract & Indexing

Abstract

The concept of settling barren lands and their nationalization holds significant importance in Islamic jurisprudence, reflecting a balanced approach toward individual ownership and collective welfare. Islam encourages the utilization of unproductive lands through cultivation and development, aligning with the principle of constructing the earth. Prophetic traditions, such as "Whoever revives a barren land, it belongs to him" emphasize individual initiative while ensuring societal benefit.

Nationalization, or the collective ownership of resources for public welfare, is addressed in Islamic teachings through the principle of public interest. The state, as a custodian, may intervene in certain cases to ensure equitable distribution and prevent monopolization, as exemplified by the Caliphate's practices during the Rashidun era. However, such actions must adhere to Shariah principles, ensuring justice, transparency, and the welfare of all citizens.

This study explores the balance between personal rights and state intervention in settling barren lands, analyzing classical Islamic jurisprudence and its application in contemporary socio-economic contexts. It also examines the ethical frameworks and policy guidelines that ensure fair distribution of resources while fostering economic growth and social harmony. The research highlights the relevance of these principles in addressing modern challenges such as land reform, sustainability, and equitable resource management.

Keywords

Barren Lands, Islamic Jurisprudence, Nationalization, Land Revival, Public Interest, Shariah Principles, Equitable Distribution, Sustainability, Economic Growth, Land Reform.

[1] ***PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University Islamabad, Pakistan.***
fayyazabbasi313@gmail.com

[2] ***Professor, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University Islamabad, Pakistan.***
drikramulhaq@gmail.com

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

OPEN ACCESS

اراضی کی اہمیت

اللہ رب العزت نے انسانیت کی تخلیق فرمائی اور اپنی تمام مخلوقات میں سے انسان کو اشرف المخلوقات بنایااور انسان کو جو مقام عطاء فرمایاوہ مقام بھی تمام مخلوقات میں اعلیٰ مقام ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق کے بارے میں فرمایا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ[1]یعنی ہم نے انسان کو خوبصورت ڈھانچہ میں پیدا فرمایاہے، گویاانسان کو جو صورت عطاء فرمائی گئی وہ تمام مخلوقات میں سب سے خوبصورت ہے۔

جن وانس کی تخلیق کا مقصد بھی سب سے بلند تر ہے، تمام مخلوقات میں یہ اعزاز بھی صرف انسان کو حاصل ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا، قران کریم نے مقصد تخلیق کو حصر کے ساتھ بیان فرمایا:وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ [2]یعنی جن وانس کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ " الدنیا کلا خلقت لکم وانتم خلقتم للآخرة"یعنی دنیا کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا فرمایااور انسان کو آخرت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعزاز بھی عطاء فرمایا کہ اس کی تمام تر ضروریات کو اپنے ذمہ لیااور ان تمام ضروریات کا محور ومرکز زمین کو قرار دیااور انسان کی تمام ضروریات بالواسطہ یابلاواسطہ زمین سے متعلق فرمادیں، چنانچہ فرمایا:هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا[3]یعنی دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا فرمایا، اتناانعام اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت کی وجہ سے عطاء فرمایا۔

زمین کی اہمیت بہت سارے امور سے بڑی اچھی طرح واضح ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اسی زمین کے اجزاء سے فرمائی، انسان کی تمام ضرورتوں کو زمین سے متعلق کر دیا، پھر مرنے کے بعد بھی زمین کو اس کا مسکن بنایااور قیامت کے دن پھر اسی سے انسان کو اُٹھایاجانا ہے،مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى[4]قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی سے انسان کو اُٹھائیں گے۔ گویاانسان کی تخلیق بھی اسی زمین سے، انسان کی زندگی بھی اسی زمین میں ہے، زندگی کی تمام ضرورتیں بھی اسی زمین سے وابستہ ہیں، انسان کا مسکن بھی یہ زمین ہے اور مرنے کے بعد انسان کا مدفن بھی یہی زمین ہے۔

انسان کو اس بات کا مکلف بنایا گیا کہ وہ زمین سے اپنی ضرورتیں پوری کرے، عقل وشعور استعمال کرتے ہوئے اس سے اس طرح فائدہ اُٹھائے کہ اس میں شریعت کی کوئی نافرمانی نہ ہو۔شریعت نے زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے پوری طرح رہنمائی فرمائی ہے۔ انسان مختلف انداز میں اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے، فائدہ حاصل کرنے کی جہات میں سے ایک جہت اس کو آباد کر کے اس کی ملکیت حاصل کرنا ہے، ملکیت ذاتی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ ذاتی ملکیت زمین میں کیسے حاصل کی جاسکتی ہے اور اجتماعی اور قومی ملکیت کے لیے کیا حدود ہیں؟ ذاتی ملکیت خرید وفروخت اور وراثت کے ذریعے کیسے حاصل ہو سکتی؟ اس کی الگ تفصیلات ہیں اور غیر آباد زمین میں ملکیت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ ذیل میں اختصار کے ساتھ اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

زمین شریعت کے تناظر میں دو طرح کی ہے، مملوکہ اور غیر مملوکہ، اگرچہ قانون پاکستان میں سب مملوکہ ہی ہے، لیکن شریعت اسلامی میں غیر مملوکہ زمین کا تصور بھی موجود ہے۔ مملوکہ زمین دو طرح کی ہے: انفرادی ملکیت اور اجتماعی ملکیت، پھر انفرادی ملکیت کبھی فرد واحد کی ہوتی اور کبھی چند افراد کی مشترکہ طور پر، اسی طرح اجتماعی ملکیت کبھی مخصوص علاقہ والوں کی ہوتی ہے، جسے شاملات کہا جاتا ہے اور کبھی قومی اور ریاستی ملکیت ہوتی ہے۔

مملوکہ زمین متعین فرد کی ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، البتہ غیر مملوکہ زمین میں ملکیت حاصل کرنے کے لیے شریعت نے چند شرائط رکھی ہیں۔ فقہ اسلامی میں اس کے لیے "الموات" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ موات سے مراد کون سی زمین ہے؟ اس کی کیا تفصیلات ہیں؟ فقہاء کرام کے اقوال کو ذکر کیا جاتا ہے۔

غیر آباد زمین کی تفصیلات فقہ اسلامی کی اصطلاح میں "اِحیاء الموات" کے ضمن میں بیان کی جاتی ہیں، چونکہ یہ اصطلاح دو الفاظ سے مرکب ہے، اس لیے مؤلفین کی طرز کے مطابق دونوں مفردات کی تعریفات الگ الگ ذکر کی جائیں گی اور اس کے بعد اصطلاحی تعریف، پھر اس کی شرائط اور اسباب کو فقہاءِ اربعہ کی فقہ کی روشنی میں ذکر کیا جائے گا۔ ذیل میں سب سے پہلے "اِحیاء" اور "الموات" کی تعریف الگ الگ ذکر کی جاتی ہے۔

"آبادکاری" کا مفہوم

فقہ اسلامی میں آبادکاری کے لیے احیاء کا لفظ استعمال ہوتا ہے، احیاء کا لفظ میت کی ضد کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاج العروس میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے، قرآن کریم میں بھی احیاء کو اموات کے مقابل استعمال کیا گیا ہے، مجرد کے ابواب میں حیّ کا لفظ زندہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔"والحَي مِن كل شيءٍ، ضِدالمَيت، ج أحياء، ومِنه قو له تعالى: وَمَا يَسْتوي الأَحْياء وَلَاالأَمْواتُ۔۔۔ وأَحْياهُ إحْياءً: جَعَلَهُ حَيّاً وَمِنْه قَوْلُه تَعَالَى:أَلَيْسَ ذلكَ بقادرٍ على أَنْ يُحْيِيَ المَوْتَى"[5]

صاحبِ منجد نے "اِحیاء" کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ اگر اس کے صلہ میں "الأرض" ہو تو اس کا معنی ہو گا "زمین کو سرسبز وشاداب بنانا" یہاں اس سے یہی معنی مقصود ہے۔"وأحیاہ: زندہ کرنا، النار: پھونک مار کر آگ سُلگانا، الأرض: زمین کو سرسبز بنانا"[6]

"غیر آباد زمین" کا مفہوم

غیر آباد کے لیے عربی میں "موات" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور "الموات" یہ لفظ بضم المیم اور بفتح المیم دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، صاحبِ "المعجم الوسیط" نے اس کے ایک ہی معنی بیان کیے ہیں، البتہ صاحبِ "مختار الصحاح" نے بضم المیم اور بفتح المیم کے مابین میں فرق بیان کیا ہے۔ صاحبِ "المعجم الوسیط" نے اس لفظ (الموات) کے دو معنی بیان کیے ہیں، ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ "الموات" اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں زندگی نہ ہو اور دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے کہ "الموات" سے مراد وہ زمین ہے جس میں نہ کاشت کاری کی گئی ہو اور نہ ہی اس کو آباد کیا گیا ہو اور اس پر کسی کی ملکیت بھی نہ آئی ہو۔الموات:"ما لا حياة فِي، والأرض التي لم تزرع ولا تعمر، ولا جرى عليها ملك أحد"[7]

امام جرجانی نے اپنی کتاب التعریفات میں موات کی تعریف یہ کی ہے کہ موات سے مراد وہ زمین ہے کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اس سے کوئی انتفاع بھی حاصل نہ کیا جاتا ہو، پانی کے منقطع ہونے کی وجہ سے یا پانی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کوئی کسی ایسے مانع کی وجہ سے کہ جس کے ہوتے ہوئے زمین سے انتفاع حاصل نہ کیا جا سکتا ہو۔"الموات:ما لا مالك له ولا ينتفع به من الأراضي لانقطاع الماء عنها أو لغلبته عليها أو لغيرهما مما يمنع الانتفاع بها"[8]

موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم میں ارض موات کی تعریف انگریزی زبان میں یہ کی گئی ہے کہ وہ غیر آباد زمین کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو اور وہ غیر منتفع ہو۔"الموات: في الانكليزية Inanimat، wasteland، uncultivated land without any owner-بالفتح والضّم لغة ما لا روح فيه كما في المغرب. وقيل أرض غير عامرة. وفي القاموس أرض لا مالك لها. وفي الكرماني أرض بلا نفع أي لم يزرع لانقطاع مائها أو نحوه كغلبة الرمال أو الأحجار أو صيرورتها نزة أو سنجة أو غيرها"[9]

غیر آباد زمین کا اصطلاحی مفہوم

کتبِ فقہ میں غیر آباد زمین کے احکام کو "اِحیاء الموات" کے باب میں ذکر کیا جاتا ہے، تمام فقہاء نے اپنی کتابوں میں اس باب کو ذکر کیا ہے، اس اصطلاح میں ایک "اِحیاء" کا لفظ ہے جو آباد کاری کے ذرائع کا مفہوم دیتا ہے، گویا اس لفظ سے اشارہ، آباد کاری کے ذرائع اور اسباب کی طرف ہوتا ہے، دوسرا لفظ "الموات" جو کہ غیر آباد زمین کے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔

فقہ حنفی میں غیر آباد زمین کا مفہوم

علامہ کاسانیؒ نے "بدائع الصنائع" میں بنجر زمین کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ زمین ہے، جو شہر سے باہر ہو اور وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو، اس زمین سے کسی کا کوئی خاص حق بھی وابستہ نہ ہو، چنانچہ شہر کے اندر موجود زمین بنجر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح شہر سے باہر کی جو زمین ہے وہ اگرچہ غیر آباد ہو، لیکن اگر اس سے اہلِ شہر کا کوئی نہ کوئی حق وابستہ ہوتا ہے، مثلاً شہر والوں کی چراہ گاہ ہو تو وہ زمین بنجر نہیں کہلائے گی، اسی طرح ایسی زمین کہ جس میں معدنیات ہوں یا اس زمین سے عام لوگوں کے حقوق وابستہ ہوں، تو وہ زمین بھی بنجر نہیں ہو سکتی کیونکہ ان زمینوں کو بنجر قرار دینے سے عام مسلمانوں کا حق ضائع ہوگا، ایسی زمینیں ارض موات نہیں کہلائیں گی۔ "والأرض الموات هي أرض خارج البلد لم تكن ملكا لأحد، ولا حقا له خاصا فلا يكون داخل البلد موات أصلا، وكذا ما خارج البلدة من مرافقها محتبطا بها لأهلها أو مرعى لهم لا يكون مواتا حتى لا يملك الإمام إقطاعها"[10]

امام حلبی نے اس تعریف کو دوسرے انداز میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ارض موات سے مراد ایک تو وہ زمین ہے جس سے منفعت حاصل نہ کی جاسکتی ہو، خواہ وہ منفعت حاصل نہ ہونا پانی کی مکمل عدم دستیابی کی وجہ سے ہو یا وہ زمین سیم والی ہو یا اس طرح کی کوئی ایسی صورت حال ہو کہ اس سے منفعت حاصل نہ کی جاسکتی ہو، جیسے وہ زمین ریتلی یا پتھریلی یا نمکیات والی ہو۔

دوسرا اس سے مراد وہ زمین ہے جو عرصہ دراز سے کسی کی ملکیت نہ رہی ہو یا اس کا کوئی مالک متعین نہ ہو۔ اس زمین کا حکم بھی ارض موات والا ہوگا، اگر بعد میں اس کا کوئی مالک معلوم ہو جاتا ہے تو وہ زمین اس مالک کو لوٹائی جائے گی اور اس کے نقصان کا تدارک بھی کیا جائے گا۔ "أرض لا ينتفع بها أي بالأرض لانقطاع مائها أصلا أو عارضا بحيث لا يرجى عوده أو لغلبة الماء عليها أو نحوهما مما يمنع الانتفاع مثل غلبة الرمل والحجر والشوك ومثل أن يكون الأرض مالحة"[11]

صاحبِ ہدایہ نے قدوری کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ ارض موات کے لیے آبادی سے دور ہونا ضروری ہے، وہ دوری اتنی ہونی چاہیے کہ آبادی کے کنارے پر کھڑے ہو کر زور دار آواز لگائی جائے، جہاں تک وہ آواز جائے گی، وہ ارض موات میں شامل نہیں ہو سکے گی بلکہ اس کے بعد والی زمین ارض موات کا حصہ بن سکے گی۔ "فما كان منها عاديا لا مالك له أو كان مملوكا في الإسلام لا يعرف له مالك بعينه وهو بعيد من القرية بحيث إذا وقف إنسان من أقصى العامر فصاح لا يسمع الصوت فيه فهو موات" قال رضي الله عنه: هكذا ذكره القدوري "[12] جو زمین قدیم زمانہ سے غیر آباد چلی آرہی ہو اور اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اہل اسلام میں سے اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو اور وہ زمین بستی سے اتنی دور ہو کہ ایک شخص آبادی کے کنارے کھڑے ہو کر چیخے، جہاں اس کی آواز نہ سنی جاسکتی ہو وہ زمین ارض موات ہے۔ "مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر" میں مصنف نے ارض موات کے آبادی سے دور ہونے کے حوالہ سے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ شرط امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، کیونکہ آبادی سے متصل زمین سے آبادی والوں کی ضروریات متعلق ہیں۔ "ويشترط عند أبي يوسف كونها أي الأرض بعيدة عن العامر أي البلد والقرية"[13] فقہاء حنفیہ نے آبادی سے دور ہونے کی حد کی تعیین میں ایک قول یہ ذکر کیا ہے

کہ وہ ارض موات ایک "غلوۃ" دور ہو، ایک غلوۃ سے مراد ایک تیر پھینکنے کا فاصلہ یا تین سو ہاتھ تک کا فاصلہ ہوتا ہے۔"وفي رواية عنه أن البعد قدر غلوة كما في الظهيرة"[14]

صاحبِ ہدایہ نے "ارض موات" کی تعریف میں امام محمدؒ کے حوالہ سے یہ قید ذکر کی ہے کہ وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو، نہ کسی مسلمان کی اور نہ کسی ذمی کی، اس کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس زمین سے کسی کے حقوق بھی وابستہ نہ ہوں، اگر کسی کے حقوق متعلق ہوں اور کوئی شخص اس زمین کو ارض موات سمجھ کر آباد کرلے اور بعد میں اس کا کوئی مالک ظاہر ہو جائے تو وہ زمین اس کو لوٹائی جائے گی، اسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا کوئی مالک تھا اور اب معلوم نہیں تو یہ زمین بھی ارض موات میں شامل نہیں ہوگی، بلکہ یہ زمین عام مسلمانوں کی منفعت کے لیے وقف سمجھی جائے گی، گویا امام محمدؒ کے نزدیک ارض موات وہ زمین ہے جو کبھی بھی کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت نہ رہی ہو، بلکہ ہمیشہ سے وہ زمین غیر مملوک چلی آرہی ہو اور اس زمین سے مسلمانوں کے منافع وابستہ نہ ہوں، اگرچہ وہ زمین آبادی کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔

امام ابو یوسفؒ نے بھی اس قید کو ملحوظ رکھا ہے، لیکن اس کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ وہ زمین آبادی سے دور ہو، تاکہ آبادی والوں کے منافع اس زمین سے متعلق نہ ہوں، گویا امام ابو یوسفؒ نے اس زمین کے آبادی سے دور ہونے کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ اس زمین سے کسی کی منفعت متعلق نہ ہو۔ شمس الائمہ السرخسی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور امام خواہر زادہ نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ یعنی حقیقی معنوں میں وہ زمین غیر آباد ہو، اگرچہ آبادی کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔"والمروي عن محمد رحمه الله أنه يشترط أن لا يكون مملوكا لمسلم أو ذمي مع انقطاع الارتفاق بها ليكون ميتة مطلقا. فأما التي هي مملوكة لمسلم أو ذمي لا تكون مواتا، وإذا لم يعرف مالكه تكون لجماعة المسلمين، ولو ظهر له مالك يرد عليه، ويضمن الزارع نقصانها، والبعد عن القرية على ما قال شرطه أبو يوسف: لأن الظاهر أن ما يكون قريبا من القرية لا ينقطع ارتفاق أهلها عنه فيدار الحكم عليه. ومحمد رحمه الله اعتبر انقطاع ارتفاق أهل القرية عنها حقيقة، وإن كان قريبا من القرية"[15] ارض موات کے آبادی سے دور ہونے کی قید امام ابو یوسف کے نزدیک اس لیے ہے کہ اگر وہ زمین آبادی کے قریب ہوگی تو آبادی والوں کے منافع سے وہ الگ نہیں ہو سکتی، تو حکم کا دار و مدار اس زمین سے منافع کے متعلق نہ ہونے پہ ہوا اور امام محمد نے آبادی سے دور ہونے کا اعتبار اس لیے کیا ہے، تاکہ اہل علاقہ کے منافع اس سے بالکل متعلق نہ ہوں اگرچہ وہ زمین آبادی کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔ گویا دونوں حضرات کے نزدیک اصل معیار اس زمین سے منافع کے عدم تعلق پہ ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق "ارض موات" سے مراد وہ زمین ہوگی، جس میں درج ذیل اوصاف پائے جائیں:

- جو شہر اور آبادی سے دور ہو۔
- اس زمین سے اہلِ بلد اور آبادی والوں کے حقوق متعلق نہ ہوں۔
- وہ زمین کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت نہ رہی ہو۔
- اس زمین سے منفعت حاصل نہ کی جاسکتی ہو۔
- ذخائر اور معدنیات والی زمین نہ ہو، اگر یہ شرطیں پائی جاتی ہیں تو وہ زمین ارض موات ہوگی ورنہ نہیں۔

نوٹ: ان تعریفات کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن تعریفات میں "ما لا ينتفع به من الأراضي" یعنی وہ زمین جس سے منفعت حاصل نہ کی جاسکتی ہو، کی قید لگی ہوئی ہے، اس سے لغوی ارض موات مراد ہے، کیونکہ اگر زمین کی ایسی کیفیت ہو کہ اس سے

منفعت ہی حاصل نہ کی جاسکتی ہو، تو اس کو آباد کرنے کی بحث کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، البتہ جس زمین کو آباد کر کے اس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو، تو اس کے لیے اصول وضوابط بیان کرنا، فقہاء کا بھی مطمح نظر ہے۔

فقہ مالکی میں غیر آباد زمین کا مفہوم

امام قرافی نے الذخیرہ میں "إحیاء الموات" کے تحت ارض موات کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ زمین ہے، جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اس سے منفعت بھی حاصل نہ کی جاتی ہو۔قال الجوهري:"الموات بضم الميم وفتحها:ما لا روح فيه، وأيضاً هوالأرض التى لا مالك لها، ولا منتفع بها"[16] امام صاویؒ نے حاشية الصاوى على الشرح الصغير میں ارض موات کی تعریف یہ ذکر فرمائی ہے کہ ارض موات سے مراد وہ زمین ہے جو آباد کاری کے متعلقات سے خالی ہو، یعنی اس میں کسی کی ملکیت کا کوئی شبہ نہ ہو۔"الموات منها ما سلم أى خلا عن اختصاص بإحياء لها"[17] فقہ مالکی میں ارض موات کی تعریف عام مصنفین نے مختصر انداز میں بیان کی ہے، اس کی قیودات وغیرہ بیان نہیں کی ہیں، ارض موات کی دو تعریفیں عام طور پر کی گئی ہیں، ایک تعریف میں ارض موات سے مراد وہ زمین ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور وہ زمین منتفع بہا نہ ہو۔ دوسری تعریف میں اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ اس زمین میں آباد کاری کے اعتبار سے کسی کا کوئی اختصاص / تعلق نہ ہو۔

فقہ شافعی میں غیر آباد زمین کا مفہوم

کتاب "الأم" میں امام شافعیؒ سے ارض موات کی تفصیل میں یہ بات منقول ہے کہ ارض موات دو طرح کی ہے: ایک وہ جو پہلے آباد تھی اور اس کے آباد کرنے والے مسلمان بھی معلوم تھے، پھر وہ زمین غیر آباد ہو گئی اور اس پر عمارت اور آبادی کے آثار بھی ختم ہو گئے۔ اس زمین کا حکم یہ ہے کہ یہ زمین سابقہ مالکوں ہی کی سمجھی جائے گی، وہی اس کے مالک ہوں گے، ان کے علاوہ کوئی اس کو آباد نہیں کر سکتا بلکہ اس زمین کے سابقہ مالکوں کو اس کے تمام منافع اور حقوق بھی ملیں گے، لہٰذا یہ زمین بھی اور اس زمین کے متعلقات بھی ارض موات میں داخل نہیں ہوں گے۔

ارض موات کی دوسری قسم وہ ہے جس میں نہ تو اسلام آنے کے بعد اس کا کوئی مالک معلوم ہو اور نہ ہی زمانہ جاہلیت سے اس زمین میں ملکیت کے آثار موجود ہوں اور نہ اب اس کا کوئی مالک ہو، اگرچہ یہ زمین کسی بستی کے پاس ہی کیوں نہ ہو یا کسی وادی میں ہو یا نہر کے قریب ہو یا صحراء میں ہو، اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر خلیفۃ المسلمین اس زمین کو خاص کام کے لیے متعین کر دے، تب بھی وہ زمین موات ہی رہے گی تا وقتیکہ وہ کسی کو مالک بنا کر نہ دی جائے۔ گویا امام شافعی رحمہ اللہ نے ملکیت کو اصل قرار دیا ہے نہ کہ غیر آباد ہونے کو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی اصل میں ارض موات ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک بن جائے گا۔"والموات شيئان موات قد كان عامرا لأهل معروفين في الإسلام ثم ذهبت عمارته فصار مواتا لا عمارة فيه فذلك لأهله كالعامر لا يملكه أحد أبدا إلا عن أهله، وكذلك مرافقه وطريقه وأفنيته ومسايل مائه ومشاربه.والموات الثاني ما لم يملكه أحد في الإسلام بعرف، ولا عمارة، ملك في الجاهلية، أو لم يملك فذلك الموات الذي قال رسول الله(صلى الله عليه وسلم) من أحيا مواتا فهو له"[18]

فقہ شافعی میں ایک تعریف امام شافعیؒ سے منقول ہے، اس کے علاوہ "المھذب" میں ارض موات کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ "المھذب" میں لکھا ہے کہ "وہ ارض موات جس میں ملکیت آسکتی ہو اور اس کا مالک معلوم نہ ہو" اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: وہ زمین ہے جس کو آباد کرنے سے ملکیت آجاتی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ زمین ہے جو غیر مملوک چلی آرہی ہو تو وہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، پھر وہ تمہارے لیے ہے۔ اس کے ذیل میں مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر یہ زمین دار

الاسلام میں ہو تو اس کا حکم اس لقطہ (گم شدہ چیز) کا ہے، جس کا مالک معلوم نہ ہو اور اگر یہ زمین دار الحرب میں ہو تو اس کا حکم رکاز (خزانے) کا ہو گا۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ اس زمین کو آباد کرنے سے ملکیت نہیں آسکتی، اس لیے کہ وہ زمین اگر دار الاسلام میں ہے تو وہ یا تو کسی مسلمان کی ہو گی یا کسی ذمی کی ہو گی یا بیت المال کی ہو گی، لہٰذا اس کا آباد کرنا جائز نہیں ہو گا اور اگر یہ زمین دار الحرب میں ہے تو یہ زمین ایسے کافر کی ہو گی جس کا مال حلال نہیں ہے یا ایسے کافر کی ہو گی جس کو اسلام کی دعوت ابھی تک نہیں پہنچی، تو ایسی زمین میں ملکیت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

تیسری صورت: یہ ہے کہ اگر وہ زمین دار الاسلام میں ہو تو اس میں ملکیت نہیں آسکتی اور اگر دار الحرب میں ہو تو اس میں ملکیت آسکتی ہے، اس لیے کہ جو زمین دارالاسلام میں ہے وہ عام طور پر کسی نہ کسی کی ہو گی اور اگر دار الحرب میں ہے تو اس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ کسی کی نہیں ہے اور نہ ہی وہ زمین محفوظ ہے، کیونکہ جو چیز دار الحرب سے ملے تو اس میں خمس نکالا جاتا ہے اور جو دار الاسلام سے ملے اس کے بارے میں اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کے بعد ملکیت آجائے گی۔"وأما الموات الذي جرى عليه الملك وباد أهله ولم يعرف مالكه ففيه ثلاثة أوجه: أحدها أنه يملك بالإحياء لما روى طاوس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "عادي الأرض لله ورسوله ثم هي لكم بعد" ولأنه إن كان في دار الإسلام فهو كاللقطة التي لا يعرف مالكها وإن كان في دار الحرب فهو كالركاز والثاني لا يملك لأنه إن كان في دار الإسلام فهو لمسلم ولذمي أو لبيت المال فلا يجوز إحياؤه وإن كان في دار الحرب جاز أن يكون لكافر لا يحل ماله أو لكافر لم تبلغه الدعوة فلا يحل ماله ولا يجوز تملكه والثالث أنه إن كان في دار الإسلام لم يملك وإن كان في دار الحرب ملك لأن ما كان في دار الإسلام فهو في الظاهر لمن له حرمة وما كان في دار الحرب فهو في الظاهر لمن لا حرمة له ولهذا ما يوجد في دار الحرب يخمس وما يوجد في دار الإسلام يجب تعريفه"[19] خلاصہ یہ ہے کہ "الأم" کے مطابق جس زمین میں کبھی کسی کی ملکیت نہ رہی ہو وہ ارض موات ہے اور المھذب کے ایک قول کے مطابق وہ کسی کی ملکیت میں نہ رہی ہو اور دوسرے قول کے مطابق ارض موات وہ ہے جو دارالحرب میں ہو اور کسی کی مملوکہ نہ ہو۔ تمام تعریفات میں غیر مملوکہ کو معیار بنایا گیا ہے۔

فقہ حنبلی میں ارض موات کا مفہوم

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "الکافی" میں بنجر زمین کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ارض موات سے مراد وہ زمین ہے جو غیر آباد ہو، آبادی کے آثار مٹ چکے ہوں اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو۔ اس ارض موات کی پھر دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ بنجر زمین جس میں کسی کی ملکیت ابھی تک آئی ہی نہ ہو اور وہ زمین غیر مملوک ہو اس زمین کا حکم یہ ہے کہ حدیث کی رو سے جو شخص اس کو آباد کرے گا اس کا مالک بن جائے گا۔

دوسری قسم: وہ بنجر زمین جس میں کسی کی ملکیت آئی ہو، لیکن اس کے آباد کرنے والے ختم ہو گئے ہوں، ابھی اس کا مالک معلوم نہ ہو، اس زمین کے بارے میں امام مالکؒ سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک روایت کے مطابق جو شخص اس زمین کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس حدیث کی وجہ سے جس میں فرمایا گیا ہے کہ وہ زمین جو غیر آباد چلی آرہی ہو وہ اللہ اور رسول کی ہے، پھر اس کے بعد تمہاری ہے، گویا کہ اس کا حکم لقطہ (گمشدہ چیز) کا ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق اس زمین میں ملکیت نہیں آسکتی، کیونکہ یہ زمین یا تو کسی مسلمان کی ہو گی یا کسی ذمی کی ہو گی یا بیت المال کی ہو گی، لہٰذا اس کو آباد کرنا بھی جائز نہیں ہو گا، جیسا کہ اس زمین کو آباد کرنا جائز نہیں جس کا مالک متعین ہو۔ اسی طرح اگر کوئی زمین آبادی کے قریب ہو اور اس زمین سے آبادی والوں کے منافع متعلق نہ ہوں تو اس کو بھی آباد کرنا جائز ہے۔"وهي الأرض الداثرة التي لا يعرف لها مالك، وهي نوعان:أحدهما: ما لم يجر عليه ملك، فهذا يملك بالإحياء، لما روى جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "من أحيا أرضًا ميتة فهي له" رواه أحمد، والترمذي وصححه. ولا يفتقر إلى إذن الإمام للخبر، ولأنه

تملك مباح، فلم يفتقر إلى إذن كالصيد.الثاني: ما جرى عليه ملك، وباد أهله، ولم يعرف له مالك، ففيه روايتان:إحداهما: يملك بالإحياء للخبر، ولما روى طاؤس: أن النبي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قال: عادي الأرض لله ولرسوله، ثم هي لكم بعده رواه أبو عبيد في الأموال، ولأنه في دار الإسلام فيملك، كاللقطة.والثانية: لا يملك لأنه إما لمسلم أو لذمي أو بيت المال، فلم يجز إحياؤه، كما لو تعين مالكه"[20]

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ارض موات کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ ارض موات کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ زمین کہ جس پر نہ تو کبھی کسی کی ملکیت آئی ہو اور نہ اس پر آبادکاری کے کوئی آثار ہوں، یہ وہ زمین ہے کہ جس پر آبادکاری سے ملکیت حاصل کی جاسکتی ہے، اس کے بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے، احیاء الموات کے قائلین کا اس میں اختلاف نہیں ہے اور احیاء سے متعلق احادیث اسی کے بارے میں ہیں۔ دوسری قسم: وہ زمین کہ جس پر کسی کی ملکیت آئی ہو، پھر اس کی تین انواع ہیں:

1. وہ زمین کہ جس کا مالک متعین ہو، پھر اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کی اس زمین میں ملکیت خرید وفروحت سے آئی ہو یا اس مالک کو کسی نے عطیہ کی ہو، اس زمین کے بارے میں بھی تمام فقہاء کا اتفاق کہ اس میں احیاء سے ملکیت نہیں آسکتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس زمین میں ملکیت احیاء یعنی آبادکاری سے آئی ہو اور اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا گیا ہو کہ آبادکاری کے آثار مٹ گئے ہوں اور وہ موات یعنی غیر آباد بن گئی ہو، حنابلہ کے ہاں اس کا حکم ملکیت والی زمین کا ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس زمین کو حدیث کے عموم کی وجہ سے آبادکاری کے ذریعہ ملکیت میں لایا جاسکتا ہے۔

2. دوسری نوع میں وہ زمین ہے کہ جس پر آثار قدیمہ یعنی رومیوں اور ثمود کے آثار پائے جارہے ہوں، اس زمین میں آبادکاری کے ذریعہ سے ملکیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

3. تیسری نوع میں وہ زمین ہے کہ دار الاسلام میں اس زمین پر غیر معین طور پر کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت آئی ہو، اس زمین کے بارے دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق یہ ارض موات میں داخل ہے، اس قول کے قائل امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہا اللہ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق یہ ارض موات میں داخل نہیں ہے، اس قول کے قائل امام احمد رحمہ اللہ ہیں۔"جملته أن الموات قسمان: أحدهما، ما لم يجر عليه ملك لأحد، ولم يوجد فيه أثر عمارة، فهذا يملك بالإحياء، بغير خلاف بين القائلين بالإحياء. والأخبار التي رويناها متناولة له. القسم الثاني، ما جرى عليه ملك مالك، وهو ثلاثة أنواع: أحدها: ماله مالك معين، وهو ضربان: أحدهما، ما ملك بشراء أو عطية، فهذا لا يملك بالإحياء، بغير خلاف. قال ابن عبد البر: أجمع العلماء على أن ما عرف بملك مالك غير منقطع، أنه لا يجوز إحياؤه لأحد غير أربابه. الثاني، ما ملك بالإحياء، ثم ترك حتى دثر و عاد مواتا.... ما يوجد فيه آثار ملك قديم جاهلى، كآثار الروم، ومساكن ثمود، ونحوها، فهذا يملك بالإحياء لأن ذلك الملك لا حرمة له....النوع الثالث، ما جرى عليه الملك في الإسلام لمسلم أو ذمى غير معين، فظاهر كلام الخرقى أنها لا تملك بالإحياء. وهو إحدى الروايتين عن أحمد...... والرواية الثانية، أنها تملك بالإحياء. نقلها صالح وغيره. وهو مذهب أبى حنيفة و مالك لعموم الأخبار، ولأنها أرض موات، لا حق فيها لقوم بأعيانهم، أشبهت ما لم يجر عليه ملك مالك، ولأنها إن كان في دار الإسلام، فهى كاللقطة دار الإسلام،وإن كانت في دار الكفرفهى كالركاز"[21]

حنابلہ کے نزدیک ارض موات سے مراد وہ زمین ہے جو غیر آباد ہو، آبادی کے آثار مٹ چکے ہوں اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو۔

وہ بنجر زمین جس میں کسی کی ملکیت ابھی تک آئی ہی نہ ہو۔

وہ بنجر زمین جس میں کسی کی ملکیت آئی ہو، لیکن اس کے آباد کرنے والے ختم ہوگئے ہوں اور ابھی اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

فقہاء اربعہ کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے، ارض موات کی تعریف میں مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

- جو شہر اور آبادی سے دور ہو۔
- اس زمین میں کبھی کسی کی ملکیت رہی ہی نہ ہو۔
- اس زمین سے کسی کے حقوق متعلق نہ ہوں۔
- وہ زمین کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت نہ رہی ہو۔
- وہ زمین دار الحرب میں ہو۔
- ملکیت کے آثار ختم ہو چکے ہوں۔
- وہ بنجر زمین جس میں کسی کی ملکیت آئی ہو، لیکن اس کے آباد کرنے والے ختم ہو گئے ہوں اور ابھی اس کا مالک معلوم نہ ہو۔
- ذخائر اور معدنیات والی زمین نہ ہو، اگر یہ شرطیں پائی جاتی ہیں تو وہ زمین ارض موات ہو گی ورنہ نہیں۔

بنجر زمین کی آبادکاری کا ثبوت شریعت کی روشنی میں

بنجر زمین کی آباد کاری کے حوالہ سے قرآن وسنت میں کثرت کے ساتھ دلائل موجود ہیں، ان دلائل میں غور وفکر کرنے سے اس عمل کے جواز میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا۔

آبادکاری کا ثبوت قرآن کریم سے

بنجر زمین کو آباد کرنے کے حوالہ سے قرآن کریم میں عام دلائل موجود ہیں، جن میں انسان کو زمین کا مالک بننے کا حق دیا گیا ہے۔ ویسے تو قرآن کریم میں یہ عام اعلان موجود ہے کہ زمین میں جو کچھ موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [22] یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے وہ تمام چیزیں پیدا فرمائیں جو زمین میں ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق اللہ کی ذات ہے اور دنیا کی ہر چیز اس نے تمہارے فائدہ کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ ایک دوسری آیت ہے جس میں صراحت کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے بنایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ [23] اس آیت سے بھی یہ مفہوم ہے کہ زمین مخلوق کے لیے ہے اور مخلوق بطور اسباب کے اس کو اختیار کر سکتی ہے۔

ایک اور آیت میں انفرادی ملکیت کے تصور کو بیان فرمایا ہے کہ یہ زمین صرف اجتماعی چیز نہیں ہے، بلکہ اس میں انفرادی ملکیت حاصل کرنا بھی جائز ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ [24] فرمایا کہ در حقیقت یہ زمین اللہ کی ملکیت ہے، مالک حقیقی جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہے گا اسے توفیق دے گا کہ بنجر زمین کو آباد کرے، محنت کرے اور اس کا مالک بن جائے، بشرطیکہ وہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس سے کسی کا حق وابستہ ہو۔

بنجر زمین کو آباد کرنے کا ثبوت اور اس میں ملکیت احادیث کی روشنی میں

قرآن کریم کے بعد احادیث میں بنجر زمین کی آبادکاری کے حوالہ سے تفصیل کے ساتھ احکامات موجود ہیں، جن کو پڑھنے کے بعد اس کے جواز میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا، اسی وجہ سے فقہاء کرام کے مابین بنجر زمین کے آباد کرنے کے حوالہ سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی غیر آباد زمین کو آباد کرتا ہے تو وہ اس زمین کا مالک بن جائے گا، اس میں بھی اختلاف نہیں۔ بہت ساری احادیث آباد کاری کے ثبوت اور اس میں ملکیت پر دلالت کرتی ہیں، ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا: "من أعمر أرضا ليست لاحد فهو أحق بها"[25] یعنی جو شخص کسی ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو اس زمین کو آباد کرنے والا، اس زمین میں ملکیت کا زیادہ حقدار ہے۔

ایک دوسری روایت جو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرام سے یہ حدیث منقول ہے، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص کسی مردہ (غیر مملوک، غیر آباد) زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے اور دوسرے کی زمین میں ناحق طور پر آبادکاری کرنے والے کو کوئی حق حاصل نہیں، جس کی عبارت یہ ہے: "من أحيا أرضا ميتة فهى له، وليس لعرق ظالم حق"[26]

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عادىّ الأرض لله وللرسول، ثم لكم من بعد فمن أحيا أرضا ميتة فهى له"[27] یعنی جس زمین کا مدت سے کوئی وارث نہ ہو، وہ اللہ اور رسول کی ہے، پھر بعد میں تمہاری ہے، چنانچہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ زمین اسی کی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری روایات ہیں جن میں غیر آباد زمین کو آباد کرنے والوں کو اس کا مالک بنادیا گیا ہے۔ احادیث میں ملکیت آباد کرنے والے کے لیے قرار دی گئی ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت غیر آباد زمینوں کی مالک بن سکتی ہے یا نہیں؟ حکومت کا غیر آباد زمینوں کا مالک بننے کے لیے قومیانے کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے

زمینوں کو قومیانے کا مفہوم

زمینوں کو قومیانے کا مفہوم یہ ہے کہ زمین میں انفرادی ملکیت ختم کرکے حکومت کی تحویل میں لے لیا جائے اور عوام کو ان زمینوں میں مالکانہ حقوق اور انفرادی تصرف سے روک دیا جائے۔ خواہ تمام املاک میں ہو، جیسے اشتراکیت میں ہے کہ انہوں نے انسان کی انفرادی ملکیت کو بالکل ختم کرکے تمام اشیاء کو ریاست کی ملکیت قرار دے دیا۔ خواہ بعض املاک میں ہو، جیسا کہ اکثر ممالک میں ہے کہ وہاں کے بہت سارے ادارے، بہت ساری مختلف اراضی، اراضی شاملات وغیرہ ریاست کے زیر انتظام ہوتی ہیں۔ تقریباً پاکستان میں بھی اسی طرح کا قانون ہے۔

قومیانے کی مختلف صورتیں:

1۔ **غیر آباد زمینوں کو قومیانہ:** ایک صورت یہ ہے کہ غیر آباد بنجر زمینوں (جو کسی کی ملکیت میں نہ ہوں) کو قومیا لیا جائے اور اس میں پابندی عائد کردی جائے کہ ان زمینوں کو کوئی آباد نہیں کرسکتا۔

2۔ **آباد زمینوں کو قومیانہ:** دوسری صورت یہ ہے کہ آباد زمینوں کو قومیا لیا جائے (اس سے مراد وہ زمینیں ہیں جو شہر یا شہر کے قریب ہوں) یا بنجر زمین تھی اور اس کو کسی نے آباد کرلیا ہو۔ حکومت اس میں سے کسی زمین کو مخصوص کردے کہ ان اراضی میں رفاہِ عامہ کے حوالہ سے کوئی کام کیا جائے گا، مثلاً شہروں میں سڑکیں بنانے یا ہسپتال بنانے کے لیے زمینیں متعین کی جاتی ہیں۔

3۔ **مملوکہ زمینوں کو قومیانہ:** تیسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی مملوکہ اراضی کو قومیا لیا جائے، پھر اس کی کئی صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ لوگوں کی انفرادی ملکیت بالکل ختم کرکے ان کی تمام مملوکہ اراضی قومی تحویل میں لے لی جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ملکیت کی تحدید کی جائے اور اس سے زائد ملکیت حاصل کرنے پر پابندی لگادی جائے اور اس حد سے زائد ملکیتوں کو قومی تحویل میں لے لیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فی الحال لوگوں کی جو ملکیتیں ہیں ان کو برقرار رکھتے ہوئے آئندہ کے لیے معینہ حد سے زائد ملکیت حاصل کرنے پر پابندی عائد کردی جائے۔

4۔ غیر مملوکہ زمینیں: چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسی زمینیں جو کسی کی ملکیت نہ ہوں، ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے اور انفرادی ملکیت پر پابندی عائد کر دی جائے۔

نظامِ اشتراکیت میں قومیانا

املاک کو قومیانے کے حوالہ سے دنیا کے معاشی نظاموں میں سے ایک نظام سوشلزم کا ہے، اس نظام میں انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر چیز کو حکومت کی تحویل میں رکھا گیا ہے، اس نظام کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے حوالہ سے بڑی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس موقع پر اس نظام کی تفصیلات ذکر نہیں کریں گے بلکہ زمین میں انفرادی ملکیت کے ثبوت پر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے چند دلائل ذکر کریں گے، جو زمین میں انفرادی ملکیت کے لیے کافی ہوں گے اور اس سے اشتراکیت کی نفی بھی ہو جائے گی۔

سوشلزم نے زمین کو قومیانے اور اس میں انفرادی ملکیت کی نفی کے حوالہ سے یہ کہا: إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ [28] زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، جب زمین اللہ کی ملکیت ہوئی، تو کوئی شخص اب اس کا مالک نہیں بن سکتا، جس طرح کہ ایک موقوفہ چیز جو اللہ کے نام پر وقف کی گئی ہو، وہ کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں آسکتی ہے، اسی طرح زمین بھی اللہ کی ملکیت ہے، یہ اب کسی کی انفرادی اور شخصی ملکیت میں نہیں آسکتی۔ ان کی اس دلیل کی تردید اس آیت کے اگلے حصہ سے ہو جاتی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ [29] بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، وراثت کا لفظ ملکیت پر دلالت کرتا ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کا وارث بنتا ہے تو وہ اس کا مالک بھی بن جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سوشلزم کا مذکورہ آیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اگر ان کا یہ استدلال درست مان بھی لیا جائے تو قرآن کریم کی دوسری آیات، جن میں انسان کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا اور ملکیت کو درست قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اگر ان کے بیان کردہ مفہوم کو درست مان بھی لیا جائے، تو وہ ان آیات کا کیا جواب دیں گے جن میں فرمایا گیا ہے: لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ [30] اس آیت میں کہا گیا ہے کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے۔ اگر ہم ان کی زمین والی دلیل کو مان لیں اور زمین میں انفرادی ملکیت کی نفی کر دیں، تو اس آیت کی رو سے ہمیں دنیا اور اس میں موجود ہر چیز کی ملکیت کی نفی کرنا پڑے گی، اس لیے کہ اس میں کہا گیا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لہٰذا ہم گھریلو سامان، ذاتی اشیاء، کھانا، کپڑا وغیرہ دوسرے ساز و سامان کو انفرادی ملکیت میں نہیں لا سکتے، حالانکہ یہ بات سوشلزم میں بھی مسلم ہے کہ ان کے ہاں بھی ان اشیاء میں ملکیت ثابت اور تسلیم شُدہ ہے، پس معلوم ہوا کہ ان کی دلیل ٹھیک نہیں ہے اور وہ اپنی بیان کردہ دلیل پر خود بھی مکمل طور پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

ان کی دوسری دلیل سورہ رحمٰن کی وہ آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے فرمایا: وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ [31] یعنی زمین کو ہم نے مخلوق کے لیے پیدا کیا، اس آیت کے اعتبار سے وہ فرماتے ہیں کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے اجتماعی ملکیت قرار دیا ہے، لہٰذا کوئی بھی اس میں انفرادی ملکیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر غور کیا جائے تو ان کا استدلال اس آیت سے اجتماعی ملکیت پر درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمام مخلوقات کے لیے پیدا فرمایا ہے، لہٰذا اس زمین کی مالک تمام مخلوقات ہوئیں، کوئی شخص انفرادی طور پر اس کا مالک نہیں بن سکتا اور نہ ہی زمین کے کسی حصہ سے جانوروں، درندوں اور پرندوں کو روک سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے "انام" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، "انام" کا لفظ ہر اس چیز پر صادق آتا ہے، جس پر نیند طاری ہوتی ہے، لہٰذا تمام حیوانات اور انسان اس مفہوم میں داخل ہوئے، حالانکہ یہ مفہوم ان کے نزدیک بھی نہیں ہے، وہ زمین میں حیوانات کی ملکیت قرار دینے کے لیے کسی طرح بھی قائل نہیں ہیں، اس آیت کا مفہوم مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمام مخلوقات کے فائدہ کے لیے پیدا فرمایا ہے، چنانچہ انسان بھی اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، خواہ ملکیت کے ساتھ ہو یا دوسرے ذرائع سے، اسی طرح تمام حیوانات بھی اس سے تمام تر فوائد حاصل کر رہے ہیں۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ اس آیت میں ملکیت کے تصور کو بیان نہیں فرمارہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنی قدرت کاملہ کی نشانی اور تمام مخلوقات پر اپنی رحمت کو بیان فرمارہے ہیں۔ اس بات کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [32] اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے، اللہ کی قدرت بیان ہوئی ہے کہ اس دنیا میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی طرف سے رحمت یہ عطاء فرمائی کہ وہ سب کچھ فضول پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس میں تمام مخلوقات کا فائدہ بھی ہے اور مخلوقات کے فائدہ کے لیے ہی پیدا فرمایا۔

زمین کی شخصی ملکیت کی نفی پر ان کا تیسرا استدلال "حم السجدۃ" کی آیت سے بھی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے: سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ [33] آیت کے اس حصہ کا ترجمہ مفسرین نے مختلف کیا ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے اس لفظ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے" یعنی ان لوگوں کے لیے جو تخلیق کائنات کی کیفیت اور کمیت کے متعلق سوالات کرتے ہیں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے اس حصہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "پورا ہے پوچھنے والوں کو" اور مولانا فتح محمد جالندھری صاحبؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے "طلبگاروں کے لیے یکساں ہے"

سوشلزم کے دعویٰ کرنے والوں نے آیت کے اس حصہ سے جو یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ زمین میں سب لوگ یکساں ہیں، یہ مطلب انہوں نے حضرت مولانا فتح محمد جالندھری صاحبؒ کے ترجمہ سے اخذ کیا ہے، لیکن اس ترجمہ سے یہ مفہوم اخذ کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی، وہ یہ تھا کہ یہود نے آکر یہ سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ زمین کی تخلیق کتنے ایام میں ہوئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ جواب دیا گیا کہ پورے چار دن میں اس کی تخلیق ہوئی، پوچھنے والوں کے لیے پورے ہیں، اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ نے اور حضرت شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے: "پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے" یا "پورا ہو اپوچھنے والوں کے لیے"

آیت کے ابتدائی حصہ میں زمین کا تذکرہ ہے، اس بناء پر انہوں نے آیت کے آخری حصہ کو اسی کے ساتھ جوڑا ہے، حالانکہ اس مفہوم کا کوئی مفسر بھی قائل نہیں ہے، اصولی طور پر اگر جوڑا بھی جائے تو اس کو ماقبل کے قریب حصہ کے ساتھ جوڑنا چاہیے، اس کے مطابق اس کا یہ مفہوم بنے گا کہ اس زمین میں سب سامان معیشت مقرر کیا، سب چار دن میں اور تمام طلبگاروں کے لیے یکساں، گویا یہ برابری تمام سامان معیشت میں ہوئی، لہٰذا تمام سامان معیشت میں اجتماعی ملکیت ثابت ہوئی، جب اجتماعی ملکیت ہوئی تو کوئی شخص انفرادی طور پر کسی غلہ، پھل اور میوہ جات وغیرہ میں ملکیت حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ یہ اشیاء اجتماعی ملکیت میں ہوں گی، حالانکہ اس کے قائل وہ بھی نہیں ہیں، بلکہ ان کا اس پر عمل نہ کرنا ان کے دعویٰ کی تردید ہے۔ ان کا اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں ہوا۔

زمین کی شخصی ملکیت کی نفی پر ان کا ان تین آیات سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ پہلی آیت میں فرعون کے دعووں کی تردید کرنا مقصود ہے، دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا تذکرہ فرمارہے ہیں اور تیسری آیت میں زمین اور آسمان کی تخلیق کی مدت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو قرآن کریم میں کئی آیات شخصی ملکیت کے حوالہ سے نازل ہوئیں، اگر اللہ تعالیٰ کو شخصی ملکیت کی نفی مقصود ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک صریح آیت نازل فرمادیتے، جس میں اجتماعی ملکیت کا حکم ہو جاتا اور انفرادی ملکیت کی نفی ہو جاتی، حالانکہ کوئی آیت بھی اس معنی و مفہوم میں نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف مفہوم پر صریح آیات موجود ہیں، اسی طرح احادیث مبارکہ میں اس موضوع کو بیان کیا گیا اور وہاں شخصی ملکیت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا عمل بھی اس شخصی ملکیت کے مطابق رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام کی شخصی ملکیتیں تھیں لیکن آپ نے کبھی نفی نہیں فرمائی۔ چودہ سو سال سے امت کا تعامل بھی شخصی ملکیت کے مطابق چلا آرہا ہے۔

ان تمام دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے شخصی ملکیت کی نفی کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اگرچہ مخصوص حالات میں مصالح کے پیشِ نظر جزوی طور پر امیر المؤمنین شخصی ملکیت پر کوئی پابندی عائد کر سکتا ہے، لیکن اس کو شریعت کا حکم سمجھ کر اس کا حکم دینا یا پابندی عائد کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

غیر آباد زمین کو قومیانا

غیر آباد زمین کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو قومیانے کا مفہوم اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص اس کو آباد کرتا ہے، وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، جو زمین کسی کی ملکیت نہ ہو تو اس کے حوالہ سے حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اس زمین کو مفاد عامہ کے لیے استعمال کرے اور عام لوگوں پر اس کے آباد کرنے پر پابندی لگادے، چونکہ یہ زمین مباح ہے اس سے کسی خاص شخص کا حق وابستہ نہیں ہے، امیر وقت کے پاس شرعاً اس چیز کا حق ہے کہ وہ ایسی زمینوں کو مفاد عامہ کے لیے رہنے دے، ایسے مباح امور میں حاکم کا حکم واجب التعمیل ہوتا ہے، چنانچہ فقہ کا مشہور ضابطہ ہے جس کو "الأشباہ والنظائر" میں بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے "تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة"[34] یعنی امام کا رعیت کے لیے تصرف مصلحت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔

غیر آباد زمین کو قومیانے میں حاکم وقت کو جو اختیار دیا گیا ہے وہ مصلحت کے ساتھ مقید ہے، اگر کوئی مصلحت ہو تو پھر اس کے لیے اس کی گنجائش ہوگی اور اگر کوئی مصلحت نہ ہو تو ایک مباح امر پر پابندی لگانا، اس کے لیے جائز نہ ہوگا بلکہ وہ پابندی خلاف شرع تصور کی جائے گی، اس کی تعمیل بھی واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح یہ پابندی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھی لگانا درست نہ ہوگا بلکہ جب وہ مصلحت ختم ہو جائے تو حکم اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا، اسی پر حاکم وقت کو عمل پیرا ہونا چاہیے، اس پابندی میں حاکم وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ صرف اتنی زمین کو سرکاری تحویل میں لے جتنی ضرورت ہے، اس سے زائد لینا شرعاً ٹھیک نہیں ہوگا اور وہ بقیہ زمین اپنی اصلی حالت پر رہے گی۔ قرآن کریم میں بھی امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[35] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا جو حکم دیا ہے وہ ان امور میں ہی ہو سکتا ہے جن میں شریعت کا حکم موجود نہ ہو اور وہ مباح اور جائز کام ہو، اس سے کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم نہ آتی ہو، ورنہ جو امور شرعاً فرض یا واجب ہیں، ان میں امیر کی اطاعت ہی نہیں ہے بلکہ در حقیقت اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

احادیث میں بھی جائز امور میں امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے جس میں فرمایا گیا: عن ابن عمر رضى الله عنهما، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "السمع والطاعة حق ما لم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة"[36] یعنی امیر کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا رعایا پر حق ہے، اس تعمیل میں شرعاً یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کا حکم کسی معصیت کا حکم نہ ہو اور اگر وہ کسی معصیت کا حکم دے بھی تو اس میں اطاعت لازم نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: "من يطع الأمير فقد أطاعنى، ومن يعص الأمير فقد عصانى، وإنما الإمام جنة يقاتل من وراءه ويتقى به، فإن أمر بتقوى الله وعدل فإنه بذالک أجرا وإن قال بغيره فإن عليه منه"[37] اس حدیث میں فرمایا گیا کہ امیر کی اطاعت میری اطاعت ہے اور امیر کی نافرمانی میری نافرمانی ہے، امام تو ایک ڈھال ہے کہ اس کے پیچھے ہو کر جنگ کی جاتی ہے اور اس سے بچاؤ کیا جاتا ہے، پس اگر وہ خوف خدا کے ساتھ حکم کرے اور انصاف کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہے اور اگر اس کے خلاف حکم دے تو اس پر اس حکم کی وجہ سے عذاب ہوگا۔

فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں یہ ضابطہ لکھا ہے کہ "طاعة الإمام فى ما ليس بمعصية واجبة"[38] یعنی امام کی اطاعت ان امور میں واجب ہے جو معصیت نہ ہوں، ان سب دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے امام کی اطاعت کے چند اصول مستنبط ہوئے:

1۔ وہ حکم مباحات کے دائرہ میں ہو۔ 2۔ اس حکم سے قرآن وسنت کے کسی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔

3۔ اس حکم سے کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو۔ 4۔ وہ کسی مصلحت (فائدے) کے لئے ہو۔

ان شرائط کے ساتھ حکم واجب التعمیل ہوگا، اگر یہ شرائط نہیں پائی جارہیں تو زمین کے معاملہ میں بھی اس کا حکم واجب التعمیل نہ ہوگا۔

آباد اراضی کو قومیانا

آباد زمین سے مراد وہ زمین ہے جو شہر یا شہر کے ملحقات میں واقع ہو اور کسی کی ملکیت نہ ہو، ایسی زمین کو شاملات کہا جاتا ہے۔ اگر آباد زمین کسی کی ملکیت ہو تو اس کی تفصیل الگ مبحث میں ذکر کی جائے گی، یہاں صرف آباد غیر مملوک زمین کے بارے میں تفصیل ذکر کی جارہی ہے۔

آباد زمین جو شہر یا ملحقات شہر میں ہو اس کو قومیانے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ زمین ایسی ہے کہ اس سے اہل شہر کے حقوق وابستہ ہوں، مثلاً ان لوگوں کی چراہ گاہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی خاص ضرورت اس سے وابستہ ہو تو حاکم کو چاہیے کہ ان اراضی کی منفعت انہی لوگوں کے لیے خاص کردے، اسی بستی یا شہر والوں کے رفاہ عامہ کے جو کام ہیں، مثلاً پارک، روڈ، ہسپتال، چراہ گاہ وغیرہ اس زمین میں بنادینا چاہیے تاکہ وہ زمین انہی کے مصالح میں استعمال ہوتی رہے، گویا یہ زمین ان بستی والوں کی مصالح کی خاطر قومیالی گئی ہے، اس پر ذاتی اور شخصی ملکیت کی پابندی لگادینی چاہیے۔ یہ قومیانا جزوی ہوا جس کی شرعاً گنجائش بھی ہے، البتہ حاکم وقت کو اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس زمین کو سرکاری تحویل میں لے لے اور وہاں کی عوام کو اس سے منفعت حاصل کرنے سے منع کردے، کیونکہ کسی بستی سے ملحقہ زمین اسی کی منفعت کے ساتھ مقید ہوتی ہے، اب کسی دوسرے کو اس سے منفعت کی اجازت دینا اور ان بستی والوں کو روک دینا شرعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ زمین ایسی ہو کہ اس بستی کے مصالح اس سے وابستہ نہ ہوں یا ان کے مصالح سے زائد ہو تو اب حاکم وقت کے لیے گنجائش ہے کہ اس زمین کو سرکاری تحویل میں لے کر رفاہ عامہ کے لیے استعمال کرے۔

شہر یا بستی کے اطراف میں بسا اوقات ایسی زمینیں ہوتی ہیں، جو ملکی ترقی کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، ایسے حالات میں بستی والوں کے لیے کوئی متبادل انتظام کرکے ان اراضی کو رفاہ عامہ کے لیے استعمال کرلیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، مثلاً سمندر کے اطراف میں زمینیں، سرحدوں پر موجود زمینیں ہیں، یہ ملک کی ترقی اور سالمیت کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

غیر آباد اراضی کو قومیانا

غیر آباد اراضی سے مراد وہ اراضی ہیں جو بنجر کے مفہوم میں نہ آتی ہوں اور وہ بستی یا بستی کے قریب واقع ہوں، لیکن ان سے اہل شہر اور بستی کے کوئی حقوق وابستہ نہ ہوں اور وہ اراضی ان کی ضرورت کی بھی نہ ہو اور ان میں کسی کی ملکیت بھی نہ ہو، ایسی زمینوں کو حکومت پاکستان جنگلات سے تعبیر کرتی ہے اور اس کے علاوہ دور دراز کی زمینیں جہاں جنگلات ہوں اس پر بھی جنگلات کا اطلاق ہوتا ہے۔ ایسی زمینوں کو قومیانے کی تفصیل یہ ہے کہ یہ زمین مباح کے درجہ میں آتی ہے، ان زمینوں کے حوالہ سے حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ ان اراضی کو سرکاری تحویل میں لے لے اور ان اراضی کو عام مصالح اور رفاہ عامہ کے لیے استعمال کرے، آئندہ کے لیے ان اراضی میں ملکیت پر پابندی عائد کردے۔

چونکہ مباح امور میں حاکم وقت اختیار رکھتا ہے کہ کوئی حکم کسی مصلحت پر مبنی صادر کرے اور اس میں کسی پر ظلم بھی نہ ہو اور شریعت کے احکام سے متصادم بھی نہ ہو تو اس حکم کی اطاعت کرنا رعایا پر واجب ہے۔ ان وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے، غیر آباد اراضی میں حاکم وقت کے حکم کے مطابق قومیانے کو صحیح مانتے ہوئے عوام پر اس کی اتباع واجب ہو گی۔

مملوکہ اراضی کو قومیانا

اراضی کو قومیانے کی ایک صورت یہ ہے کہ جو اراضی کسی کی ملکیت ہوں، ان کو مالکوں سے لے کر سرکاری تحویل میں لے لیا جائے، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کو معاوضہ دے کر ان کی اراضی کو سرکاری تحویل میں لیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ بلا معاوضہ ان کی اراضی کو سرکاری تحویل میں لیا جائے۔ ذیل میں دونوں صورتوں کا حکم اور تفصیل الگ الگ ذکر کی جائے گی۔

بلا معاوضہ مملوکہ اراضی کو قومیانا

جو لوگ ان اراضی کے مالک ہیں اگر انہوں نے ان اراضی میں ملکیت ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہے تو ایسی صورت میں حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان اراضی کو ان سے لے کر اصل مالکوں کو دے یا مستحقین تک پہنچادے، یہ معاملہ حاکم وقت کے ذمہ لازم اور فرض ہے۔ اسی طرح ایسے لوگ جنہوں نے سرکاری زمینوں پر قبضہ کیا ہوا ہے، ان اراضی کو بازیاب کرانا بھی حاکم وقت کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

اگر یہ اراضی مالکوں نے جائز طریقہ سے حاصل کی ہیں تو حاکم وقت کے لیے بلا معاوضہ ان اراضی کو سرکاری تحویل میں لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کی مملوکہ چیز کو اس کے مالک کی رضامندی کے بغیر لینے کے بارے میں قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا گیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا[39]

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں اور تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے، جو شخص ظلم اور زیادتی کرتے ہوئے ایسا کرے، تو ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔

اس آیت میں کسی کی مملوکہ زمین کو زبردستی لینا حرام قرار دیا گیا ہے، البتہ ایک صورت میں لینے کی گنجائش دی گئی ہے، وہ خرید وفروخت کے ذریعے سے اور خرید وفروخت کے لیے رضامندی شرط ہے، بغیر رضامندی کے کسی کا مال حلال نہیں ہوتا، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ[40] اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کے مالوں میں اور ان کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو، گویا کسی کی مملوکہ کوئی بھی چیز ہو، خواہ وہ زمین ہو یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہو، اس میں کمی کرنے سے شرعاً منع کر دیا گیا ہے، اس آیت کی رو سے مملوکہ اراضی کو سرکاری تحویل میں لینا شرعاً ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی یہ دونوں آیتیں اس معنی میں بالکل صریح ہیں کہ کسی کا مال ناحق طریقہ سے لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس کے علاوہ بھی دوسری کئی آیات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے جس میں دوسرے کے مال کو لینے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی دوسرے کے مال میں بغیر مالک کی اجازت کے تصرف کرنے اور اس کی رضامندی کے بغیر لینے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ صریح حرام قرار دیا گیا ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: "فإن دماءكم وأموالكم

وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فی بلدكم هذا وفی شهر كم هذا"[41] پس تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبرو تم پر ایسا ہی حرام ہے، جیسے اس دن یعنی یوم عرفہ، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے، گویا لوگوں کے اموال کو ایک محترم چیز قرار دیا گیا ہے، اس کا خیال رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، جس طرح مکہ مکرمہ، حج والا مہینہ اور حج کے ایام محترم ہیں، جس طرح ان کی بے حرمتی جائز نہیں ہے ،اسی طرح لوگوں کے اموال بھی محترم ہیں ان کی بے حرمتی کرنا، ان کی اجازت کے بغیر کسی طرح کا تصرف بھی جائز نہیں۔

یہ حدیث مطلق انسان کی مملوکہ چیز کے حوالہ سے ہے، دوسری بہت ساری احادیث زمین سے متعلقہ ہیں، ان احادیث میں کسی کی زمین میں تصرف کرنے پر سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:"من ظلم من الأرض شيئا طوق من سبع أرضين"[42] یعنی جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ناحق لے لے، اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا:"من أخذ شيئا من الأرض بغير حقه طوقه من سبع أرضين لا يقبل منه صرف ولا عدل"[43] جو شخص زمین کا کچھ حصہ، کسی جائز وجہ کے بغیر لے لے، تو اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا اور اس سے کوئی معاوضہ یا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان دو احادیث میں کسی زمین پر قبضہ کرنے پر کتنی سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے، دوسری حدیث میں تو زمین کے ناحق قبضے کو ایسا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بدلہ میں قیامت کے دن نہ کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی قسم کا بدلہ۔

کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پر قبضہ کرنے پر ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:"من غصب رجلا أرضا ظلما لقی الله وهو عليه غضبان"[44] جو شخص کسی دوسرے شخص سے کوئی زمین ظلماً چھین لے، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا، گویا زبردستی زمین پر قبضہ کرنے پر اللہ کے غصہ کا فرمایا گیا ہے، اس حدیث میں بھی دوسرے کی زمین کو بغیر اس کی رضامندی اور بغیر معاوضہ دیے ہوئے، اس سے لینے کو اللہ کی ناراضگی مول لینے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ

"من أحيا أرضا ميتة فهی له، وليس لعرق ظالم حق."[45]

یعنی جو شخص غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اسی کی ہے اور دوسرے کی زمین کو ناحق طور پر آباد کرنے والے کے لیے، اس زمین میں کوئی حق نہیں ہے۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارکہ ہیں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں غور کریں تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ کرام مختلف حیثیتوں کے مالک تھے، بعض بہت خوشحال تھے، جیسے حضرت عثمان غنی، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ اور بعض بہت تنگ دست تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشحال صحابہ سے ان کی املاک لے کر تنگ دست صحابہ کو دی ہوں، بلکہ غربت کے خاتمہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ دست کو یہ حکم دیا کہ وہ محنت مزدوری کریں اور خوشحال لوگوں کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ ناجائز طریقہ سے آمدنی حاصل نہ کریں اور غریبوں کی امداد کے لیے ان کو زکوۃ، عشر اور صدقات وغیرہ کی ترغیب دی۔ معلوم یہ ہوا کہ غریب کی مدد کے لیے یا کوئی رفاہی کام کرنے کے لیے، کسی جائز طریقہ سے آمدن حاصل کرنے والے سے زبردستی کچھ چھیننا نہیں چاہیے بلکہ اسے آمدنی کے ذرائع اور اس کے مصارف کے حوالہ سے شریعت کا پابند بنانا چاہیے۔

فقہاء کرام نے قرآن کریم کی آیاتِ مبارکہ، احادیث مبارکہ، خلفاء راشدین اور سلف صالحین کے عمل کو سامنے رکھتے ہوئے، فقہاء امت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین کو اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسیؒ نے

اپنی کتاب میں ان مسائل کو ذکر کیا ہے جن پر امت کا اجماع ہے، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ "اتفقو أن أخذ أموال الناس كلها ظلما لا يحل "[46] اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لوگوں کے کسی بھی قسم کے مال کو ناحق لے لینا حلال نہیں ہے۔

علامہ ابن رشد نے بدایہ المجتہد میں لکھا ہے "لا يحل مال احد الابطيب نفس منه "كماقال عليه الصلاة والسلام وانعقد عليه الاجماع "[47] کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔ امام شوکانیؒ نے اس بات پر اجماع کی صراحت فرمائی ہے: "ولا شك أن من أكل مال مسلم بغير طيب نفسه آكل له بالباطل ومصرح به في عدة أحاديث . منها حديث " إنما أموالكم ودماؤكم عليكم حرام " وقد تقدم . ومجمع عليه عند كافة المسلمين ومتوافق على معناه العقل والشرع "[48] یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر کھانا، باطل طریقہ سے کھانا ہے، بہت ساری احادیث میں اس کی تصریح ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: "بیشک تمہارے اموال اور تمہارے خون تم پر حرام ہیں" اور پیچھے گزر چکا۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، عقل اور شریعت بھی اس کی موافقت کرتی ہیں، گویا کسی کی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا حدیث کی رو سے حرام قرار دیا ہے، اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، امام ابو یوسفؒ نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الخراج" میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "وكل من أقطعه الولاة المهديون أرضا من أرض السواد وأرض العرب والجبال من الأصناف التي ذكرنا أن الإمام أن يقطع منها فلا يحل لمن يأتي بعدهم من الخلفاء أن يرد ذلك ولا يخرجه من يدي من هو في يده وارثا أو مشتريا فأما إن أخذ الوالي من يد واحد أرضا وأقطعها آخر فهذا بمنزلة الغاصب غصب واحدا وأعطى آخر فلا يحل للإمام ولا يسعه أن يقطع أحدا من الناس حق مسلم ولا معاهد ولا يخرج من يده من ذلك شيئا إلا بحق يجب له عليه فيأخذه بذلك الذي وجب له عليه "[49]

اس عبارت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ جو امام کسی کو بطور عطیہ دے تو وہ زمینیں خواہ جیسی کیسی بھی ہوں، بعد میں آنے والے خلفاء کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ان زمینوں کو ان سے واپس لے اور نہ یہ جائز ہے کہ جن لوگوں کی زمینیں بطور وراثت ملی ہوں یا انہوں نے خریدی ہوں، ان زمینوں کو ان کے قبضے سے نکالا جائے۔ رہی یہ بات کہ حاکم ایک شخص سے زمین لے کر دوسرے کو دے دے، تو یہ بالکل غصب کے حکم میں ہے، اس کا مطلب ہے کہ ایک کا مال غصب کر کے دوسرے کو دے دینا، امام کے لیے ایسا کرنا حلال نہیں اور اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم شہری کا حق چھین کر کسی اور کو دے دے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اس زمین کو اس کے قبضہ سے نکال دے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ مالک کو معاوضہ دیئے بغیر اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کی زمین کو قومیانے کی گنجائش نہیں ہے، اگر ایسا کرے گا تو شرعاً حرام ہو گا اور عند اللہ مؤاخذہ ہو گا۔

معاوضہ دے کر اراضی کو قومیانا

مملوکہ اراضی کو قومیانے کی دو صورتیں ماقبل میں ذکر ہوئی تھیں، ایک صورت یہ تھی کہ بغیر کوئی معاوضہ دیئے اراضی کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے، اس پہلی صورت کی تفصیل ماقبل مبحث میں مختصر انداز میں بیان ہوئی کہ حاکم کے لیے بغیر رضامندی کے کوئی چیز لینا جائز نہیں ہے۔

اس مبحث میں ہم دوسری صورت کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ حاکم وقت لوگوں سے ان کی مملوکہ اراضی، ان کو معاوضہ دے کر اس کو سرکاری تحویل میں لے لے۔ اس صورت میں اگرچہ ان کو ان کی مملوکہ چیز کا بدل دیا جا رہا ہے لیکن عام طور پر ان کی رضامندی نہیں ہو گی بلکہ بغیر رضامندی کے جبری طور پر ان کی اراضی کو لیا جائے گا، اگر حقیقتاً رضامندی شامل ہو تو اس صورت میں بحث کی

ضرورت نہیں ہو گی بلکہ یہ معاملہ جائز ہو گا۔ ذیل میں جو تفصیلات ہم ذکر کریں گے وہ صرف اس صورت کی ہوں گی جس میں مالک کی رضامندی شامل نہیں ہوتی، اس صورت کا شرعی جائزہ لینے کے لیے ہم قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے دلائل کو ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

قرآن کریم سے دلائل: معاوضہ دے کر کسی سے زبردستی کوئی چیز لے لینا در حقیقت جبری بیع ہے، حالانکہ قرآن وسنت میں بیع کے انعقاد کے لیے رضامندی ضروری ہے، بغیر رضامندی کے بیع منعقد نہیں ہوتی بلکہ جبری بیع یعنی بغیر رضامندی کے بیع کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ[50] اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ، الّا یہ کہ وہ کوئی تجارت ہو جو تمہاری باہمی رضامندی سے ہوئی ہو۔ یہ آیت اس معنی ومفہوم میں صریح ہے کہ جب بھی کسی دوسرے کا مال لیا جائے تو اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ بیع کے ذریعہ سے ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ بیع باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے، کسی کو بیع پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ بیان کردہ صورت میں مالکوں کی رضامندی نہیں ہوتی، اس لیے جبری طور پر ان سے اراضی لینا قرآن کی رو سے جائز نہیں ہو گا۔

احادیث مبارکہ سے دلائل: احادیث مبارکہ میں جبراً بیع کرنے کے حوالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سارے ارشاد موجود ہیں، ان ارشادات میں سے چند ارشادات کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر"[51] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا ہے جس میں کسی شخص کو بیع کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ "لا يتفرقن عن بيع إلا عن تراضٍ"[52] کوئی شخص بیع کر کے اس وقت تک الگ نہ ہو جب تک باہمی رضامندی نہ ہو چکی ہو۔ اس حدیث میں بیع کے درست ہونے کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ فریقین کے معاملہ مکمل اور صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاملہ کر کے جب جدا ہوں تو ان کی اس میں رضامندی بھی ہو، بغیر رضامندی کے ان کی خرید وفروخت درست نہیں ہو گی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إنما البيع عن تراضٍ"[53] یعنی بیع تو باہمی رضامندی سے ہوتی ہے، اس حدیث میں خرید وفروخت کے لیے رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب منه"[54] یعنی کسی مسلمان شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں، یہاں طیب نفس کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، طیب نفس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کوئی جبر نہ ہو۔ اگر جبر ہو گا تو اس میں طیب نفس نہیں ہو سکتی، جب بھی کوئی حاکم کسی سے اراضی لے تو اسے اس بات کا یقین کر لینا ضروری ہے کہ وہ زمین مالک سے طیب نفس کے ساتھ لی جا رہی ہو۔

فقہ اسلامی سے دلائل: فقہ اسلامی میں فقہاء کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جبراً بیع نہیں ہوتی، کسی مسلمان سے اس کی طیب خاطر کے بغیر بیع کرنا شرعاً حلال نہیں ہے بلکہ اس سے کسی چیز کو لینے کے لیے اس کو راضی کرنا ضروری ہے۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بيع المضطروشراءه فاسد"[55] بیچنے پر کسی شخص کو مجبور کرنا اور اس سے کوئی چیز خرید کرانا شرعاً غیر معتبر ہے، لہٰذا اس کا دوبارہ واپس کرنا ضروری ہے۔

مصالح کی خاطر اراضی کو قومیانا

اراضی کو قومیانے کے حوالہ سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت مصالح کی خاطر اراضی کو قومیا سکتا ہے؟ ذیل میں قرآن وسنت کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کن حالات کے پیشِ نظر حاکم وقت کو اراضی کو قومیانے کی گنجائش مل سکتی ہے۔

عوام پر آفت آپڑی ہو، مثلاً کوئی قحط وغیرہ آگیا ہو یا اس کے علاوہ کوئی بڑی مصیبت آپڑی ہو تو حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو اس آفت سے نمٹنے کے لیے ترغیب دے، تاکہ اہل ثروت ان حالات سے نمٹنے کے لیے خود تیار ہو جائیں، اس کے باوجود بھی اگر وہ تیار نہ ہوں، تو پھر

حاکم وقت کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس آفت سے نمٹنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرے، اگر اس میں لوگوں کے اموال، ان کی اراضی کی اشد ضرورت ہو اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو پھر حاکم کے لیے گنجائش ہے کہ وہ بقدر ضرورت اراضی لے کر ان کو قومیا سکتا ہے۔ اسی طرح آئندہ آنے والے وقت میں کسی آفت کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے بھی پیشگی اقدام کر سکتا ہے۔ یہ عام اصول نہیں ہے بلکہ یہ ایک استثنائی صورت ہے جس کو مخصوص حالات کے پیشِ نظر اختیار کیا جاسکتا ہے، ان استثنائی صورتوں کی گنجائش بھی قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ملتی ہے، اضطراری حالات میں قرآن کریم کا یہ عام اصول ہے اس میں ایک حرام چیز ضرورت کی حد تک حلال ہو جاتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ[56] جو شخص مجبور ہو اس میں وہ حد سے تجاوز نہ کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حرام کے استعمال پر معافی کا اعلان ہے۔ اس اصول سے مذکورہ بالا مؤقف کی تائید ہو جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی اس کی گنجائش نظر آتی ہے، اس مناسبت سے بہت سارے واقعات احادیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں، ایک حدیث امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں نقل فرمائی ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "قلت: يا رسول الله! إنا نمر بقوم فلاهم يضيفونا ولاهم يؤدون مالنا عليهم من الحق، ولا نحن نأخذ منهم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا." [57] میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں، تو نہ وہ ہماری مہمان نوازی کرتے ہیں اور نہ وہ حقوق ادا کرتے ہیں جو ہمارے ان پر واجب ہیں اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زبردستی کیے بغیر انکار ہی کرتے رہیں تو ان سے زبردستی لے لو۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ترمذی اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں: "انما معنى هذا الحديث انهم كانوا يخرجون فى الغزو، فيمرون بقوم ولا يجدون من طعام ما يشترون بالثمن 'فقال النبىﷺ: ان ابو أن يبيعوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا هكذا مروى فى بعض الحديث مفسرا" [58] اس حدیث کے معنی یہ ہے کہ صحابہ کرام جہاد کے لیے جایا کرتے تھے تو وہ جب کسی قوم کے پاس سے گزرتے تھے اور کوئی ایسی کھانے کی چیز موجود نہ ہوتی تھی جسے وہ قیمت دے کر خرید سکیں، تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ زبردسی کیے بغیر بیچنے سے انکار کریں تو ان سے زبردستی لے لو، بعض احادیث سے اس واقعے کی یہی تفصیل مروی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: "الإجازة لهم ان يأخذوا بالقيمة كرهاً، وتوجيه الحديث أن الكفار كانوا إذا نزل المسلمون أغلقوا دكاكينهم، وتركوا المبائعه إضرارا بالمسلمين، فلما رأى المسلمون ذالک شكوا إلى رسول الله ﷺ أن هؤلاء لا يضيفونا، ولا شكاية فى ذالک لأن الضيافة تبرع وإكرام وليس حقا ثابتا، إنما الشكوىٰ أنهم لا يؤدون إلينا بحق وهو الشراء والإيتاء بالقيمة، فكأنهم ذكروا فى كلامهم الطرق الثلاث المحتملة للأخذ، وهو الأخذ بالقيمة أو الأخذ بغير قيمة جبرا منه أو إكراما منهم۔ أما الأول فلأنهم لا يبايعونا، وأما الثانى فلأنک يا رسول الله! منعتنا أن نأخذ مال الغير بغير حق، وهو المعنى بقولهم: "ولا نحن نأخذهم" وأما الثالث فلأنهم لا يضيفوننا" [59] قاضی ابو بکر ابن عربی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اس بات کا استنباط فرمایا ہے کہ "وكذالک إذا أنزلت بالناس مخمصة، وعند بعضهم طعام لزمهم البيع معهم، فإن أبوا أجبروا عليه" [60] اسی طرح جب لوگوں پر بھوک کی حالت مسلط ہو اور بعض لوگوں کے پاس کھانا موجود ہو تو ان پر اس کھانے کی بیع لازم ہو جاتی ہے، اگر وہ انکار کریں تو انہیں اس پر مجبور کیا جائے گا۔

ضرورت اور حاجت کے موقع پر حاکم وقت کو لوگوں کی املاک ان کی قیمتیں ادا کر کے جبری طور پر لینا جائز ہے، ایک شرط کے ساتھ، وہ یہ کہ ضرورت ہو یا حاجت ہو۔ ضرورت کا مفہوم فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے: "بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلک أو قارب كالمضطر للأكل واللبس بحيث لو بقى جائعا أو عريانا هلک أو تلف منه عضو، وهذا يبيح تناول المحرم" [61] یعنی کسی امر کا ایسی حد تک پہنچ

جانا کہ اگر اس ممنوع کام کا ارتکاب نہ کیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے یا ہلاک ہونے کے قریب پہنچ جائے، جیسے کھانے اور پہننے پر اتنا مجبور ہو کہ اگر وہ بھوکا یا ننگا رہے تو مر جائے یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جائے، ایسی صورت حال میں اس کے لیے حرام مباح ہو جاتا ہے۔

حاجت کا مفہوم ضرورت سے کم تر ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ "أن يكون الإنسان في حالة من الجهد والمشقة التي لا تؤدي به إلى الهلاك إذا لم يتناول المحرم شرعاً"[62] یعنی انسان ایسی حالت یا مشقت میں ہو کہ اگر وہ حرام کا ارتکاب نہ کرے تو ہلاک نہ ہو، البتہ اسے سخت مشقت ہو۔ حاجت کی اس تعریف پر فقہاء کرام نے یہ حکم لگایا ہے: "هذا لا يبيح الحرام، ويبيح الفطر في الصوم"[63] انسان کی حاجت کی اس کیفیت کے موقع پر حرام تو حلال نہیں ہوتا، البتہ ایسی حالت میں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر تو ایک حرام وقتی طور پر حلال ہو جاتا ہے، لیکن حاجت کے موقع پر حرام اور ممنوع چیز حلال نہیں ہوتی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ "وللسلطان أن يجعل ملك الرجل طريقا عند الحاجة"[64] سلطان کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی شخص کی ملکیت کو ضرورت کے موقع پر راستہ بنا سکتا ہے، خلافت عثمانیہ میں تحریر کردہ قانون میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: "لدى الحاجة يؤخذ ملك كائن من كان بالقيمة بأمر السلطان ويلحق بالطريق لكن لا يؤخذ من يده ما لم يؤده له الثمن"[65] ضرورت کے موقع پر سلطان کے حکم سے کسی بھی شخص کی ملکیت کو قیمت ادا کر کے لیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے قبضہ سے اس وقت تک نہ لی جائے گی جب تک کہ اس کی قیمت ادا نہ کی گئی ہو۔

شمس الائمہ السرخسیؒ نے "السیر الکبیر" کی شرح میں یہ اصول لکھا ہے کہ "لأنه نصب ناظرا، وعند الضرورة يجوز له أن يأخذ مال الغير بشرط الضمان"[66] اس لیے کہ امیر کو نگران مقرر کیا گیا ہے اور ضرورت کے موقع پر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی کا مال لے لے، اس لینے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اس کا ضمان ادا کرے۔

خلاصہ ونتائج:

قومیانے کی مختلف صورتیں بیان ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہوا کہ حاکم کے لیے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے بوقت ضرورت اراضی کو قومیانے کی گنجائش ہے شرائط کے ساتھ، یہ حکم ہمیشہ کے لیے صادر کر دینا یا اس کے مطابق قانون سازی کر دینا تو کسی طرح جائز نہیں، البتہ ضرورت کے موقع پر اس گنجائش کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ملکی قانون شریعت کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے، حکومت کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں نظر ثانی کرے اور قانون کو شریعت کے مطابق بنانے کے لیے عملی اقدامات کرے اور عند اللہ ماجور ہو۔

سفارشات:

- غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کی اجازت دی جائے تا کہ لوگ اس کو آباد کر کے اپنے مسائل کو حل کریں، ملک کے سرمائے میں اضافہ ہو سکے اور ملک ترقی کی راہ پہ گامزن ہو سکے۔
- قانون کو شریعت کے اصول کے مطابق بنایا جائے۔
- حکومت صرف اتنی زمینوں کو قومی تحویل میں لے جتنی رفاہ عامہ کے لیے ضرورت ہو۔
- عوام کو غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے حوالہ سے شریعت اور قانون کا پابند بنایا جائے، تا کہ بے اعتدالی نہ ہو۔

حوالہ جات وحواشی

1 سورۃ التین 4:95۔

2 سورۃ الذاریات 56:51۔

3 سورۃ البقرہ 29:2۔

4 سورۃ طہ 55:20۔

5 الزّبيدي، محمّد مرتضى الحسيني، **تاج العروس من جواهر القاموس**،(الكويت: وزارة الإرشاد والأنباء)37/509۔

6 بلیلاوی، ابوالفضل، مولانا عبدالحفیظ، **المنجد** ،(بیروت: دار المشرق، ط:2003ء)ص765۔

7 ابراھیم مصطفی، احمد الزیات، حامد عبدالقادر، محمد النجار، **المعجم الوسيط** ،قام بإخراجه ،(مجمع اللغة العربية دار الدعوة)،2/891۔

8 الجرجاني علي بن محمد بن علي الزين الشريف، **كتاب التعريفات** ،(بيروت: دار الكتب العلميه)، ص236۔

9 محمد بن علي ابن القاضي محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقي الحنفي التهانوي، **موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم**،(بيروت: مكتبة لبنان،1158ھ)،2/1665۔

10 الکاسانی، علاء الدین، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**،(بیروت: دار الکتاب العربی)،6/104۔

11 الحَلَبی، إبراهيم بن محمد بن إبراهيم، الحنفی، **مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر**،(بیروت: دار الكتب العلمية، ط: الأولى)۔

12 المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الرشدانی، **الہدایۃ شرح بدایہ المبتدي** ،(المکتبۃ الاسلامیہ)،4/98۔

13 الحَلَبی، إبراهيم بن محمد بن إبراهيم، الحنفی، **مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر**،(بیروت: دار الكتب العلمية)،4/228۔

14 ایضاً: 4/229۔

15 المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الرشدانی، **الہدایۃ شرح بدایہ المبتدي** ،(المکتبۃ الاسلامیہ)،4/98۔

16 القرافی، أبو العباس، شہاب الدین أحمد بن إدریس بن عبدالرحمن، المالکی، **الذخیرۃ**،(بیروت: دار العرب)،8/148۔

17 الخلوتی، احمد بن محمد الشہیر بالصاوی، **حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر** ،(بیروت: مواقع الکتاب)، ص9/114۔

18 الشافعی، محمد بن ادریس، **الام** ،(بیروت: دار المعرفۃ،1410ھ)4/41۔

19 الشیرازی، ابواسحاق، ابراھیم بن علی بن یوسف، **المہذب فی فقة الإمام الشافعی**،(بیروت: دار الكتب العلمية)،1/423۔

20 المقدسی، ابو محمد عبداللہ بن قدامہ الحنبلی، **الكافی فی فقه الإمام أحمد**،(بیروت: دار الكتب العلمية)،2/243۔

21 موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي الحنبلي، **المغني لابن قدامة**،(الرياض: دار عالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع)8/146۔

22 سورۃ البقرۃ 29:2۔

23 سورۃ الرحمٰن 10:55۔

24 سورۃ الأعراف 128:7۔

25 البخاری، محمد بن إسماعيل، أبو عبد الله، **الصحيح البخاری**،(دار طوق النجاة) کتاب الحرث والمزارعة، باب من أحيا ارضا، رقم الحدیث 2335۔

26 المنذری، زکی الدین، ابو محمد، عبدالعظیم بن عبداللہ، **مختصر سنن ابی داؤد للمنذری**،(بیروت: دار المعرفہ)،4/265، رقم الحدیث 2949۔

27 ایضاً: 4/235، رقم الحدیث 2884۔

28 سورۃ الاعراف 128:7۔

29 ایضاً

30 سورۃ البقرۃ 2:284۔

31 سورۃ الرحمٰن 10:55۔

32 سورۃ البقرۃ 2:29۔

33 سورۃ فصلت 10:41۔

34 تاج الدین، زین العابدین ابن نجیم، **الأشباه والنظائر**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 1/122۔

35 سورۃ النساء 4:59۔

36 البخاری، محمد بن إسماعیل، أبو عبد اللہ، **الصحیح البخاری**، کتاب الجہاد والسیر، باب السمع والطاعة للإمام، رقم الحدیث 2955۔

37 ایضاً: رقم الحدیث 2957۔

38 ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي، **رد المحتار**، (بیروت: دار الفکر)، کتاب الصلوۃ، باب العیدین، 1/780۔

39 سورۃ النساء 4:30، 29۔

40 سورۃ ھود 11:85۔

41 البخاری، محمد بن إسماعیل، أبو عبد اللہ، **الصحیح البخاری**، کتاب العلم، باب لیبلغ الشاھد الغائب، رقم الحدیث 105۔

42 ایضاً: رقم الحدیث 2453۔

43 الہیثمی، الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، **مجمع الزوئد و منبع الفوائد مجمع الزوائد**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ)، 4/157۔

44 ایضاً: 4/176۔

45 المنذری، زکی الدین، ابو محمد، عبد العظیم بن عبد اللہ، **مختصر سنن ابی داؤد للمنذری**، (بیروت: دار المعرفہ)، رقم الحدیث 2949۔

46 ابن حزم الظاہري، **مراتب الاجماع**، (بیروت: دار الکتب العربی)، ص 89۔

47 ابن رشد، أبو الولید محمد بن أحمد بن محمد، ابن رشد، **بدایة المجتہد ونہایة المقتصد**، (بیروت: دار الغدیث)، 2/166۔

48 شوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ، الیمنی، **نیل الأوطار**، (مصر: دار الحدیث)، 5/268۔

49 أبو یوسف، یعقوب بن إبراھیم بن حبیب الأنصاري، **کتاب الخراج**، (القاہرہ: المکتبۃ الازہریہ)، ص 60، 61۔

50 سورۃ النساء 4:29۔

51 أبو داؤد سلیمان بن الأشعث، **سنن أبی داؤد**، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ)، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع المضطر، رقم الحدیث 3382۔

52 الترمذی، محمد بن عیسی الترمذي، **السنن الترمذی**، (بیروت: دار السلام)، کتاب البیع، باب 26، رقم الحدیث 1248۔

53 ابن ماجۃ، أبو عبد اللہ محمد بن یزید القزویني، **سنن ابن ماجة**، (بیروت: دار احیاء الکتب العربیہ)، کتاب التجارات، باب 18، رقم الحدیث 2185۔

54 الہیثمی، الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، **مجمع الزوئد و منبع الفوائد مجمع الزوائد**، 1/255۔

55 ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي، **رد المحتار**، 4/118۔

56 سورۃ البقرۃ 2:173۔

57 الترمذی، محمد بن عیسی الترمذي، **السنن الترمذی**، کتاب السیر، باب 33، رقم الحدیث 1589۔

58 ایضاً: رقم الحدیث 1589۔

59 گنگوہی، رشید احمد، **الکوکب الدری**، (انڈیا: مطبوعہ سہارنپور)، 1/419۔

60 قاضی ابو بکر ابن عربی، **عارضة الاحوذی**، (بیروت: دار الفکر)، 7/87۔

61 تاج الدین، زین العابدین ابن نجیم، **الأشباه والنظائر**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 1/119۔

62 وہبہ زحیلی، **نظرية الضرورة الشرعية**، ص 247۔

63 تاج الدین، زین العابدین ابن نجیم، **الأشباه والنظائر**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 1/119۔

64 امام فخر الدین حسن بن منصور، **فتاویٰ قاضی خان**، کتاب الزکوة، فصل احیاء الموات، 1/236۔

65 لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، **مجلة الاحكام العدلية**، (کراچی: ناشر نور محمد، دفعہ نمبر: 1316)۔

66 شمس الأئمة، السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل، **شرح السير الكبير**، (المکتبۃ الشرقیۃ)، 2/240۔